حضرت مولانا شہاب الدین ندوی
ناظم فرقانیہ اکیڈیمی ٹرسٹ بنگلور۔ انڈیا

اِسلام میں زکوٰۃ کا نظام
اور اسلامی اداروں کا اِس میں حصّہ

کچھ عرصہ پہلے حکومت کرناٹک کی جانب سے ایک "زکوٰۃ بورڈ" کے قیام کا اعلان ہوا تاکہ زکوٰۃ کا ایک اجتماعی نظام قائم کیا جاسکے حکومت کے اس اعلان نے دینی حلقوں میں کافی کھلبلی پیدا کردی۔ مختلف لوگوں نے اس کی مخالفت میں خوب مضامین لکھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک سیکولر حکومت کی جانب سے اس قسم کا اقدام اگرچہ غلط اور مسلمانوں کے دین میں مداخلت کے برابر تھا۔ لیکن اگر یہی اقدام ایک اسلامی حکومت یا کسی دینی تنظیم کی جانب سے ہوتا تو اس کا خیر مقدم کیا جاتا کیونکہ اس کا اقدام دین میں بجائے خود مطلوب و مقصود ہے۔ لہذا ہمارے دینی اداروں کو اس سلسلے میں ضرور غور کرنا چاہئے۔

زکوٰۃ کی صحیح حیثیت زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم رکن اور عبادت کا ایک حصہ ہے۔ نماز جس طرح حقوق اللہ کی نمائندگی کرتی ہے اسی طرح زکوٰۃ حقوق العباد کا مظہر ہے۔ اور اس کی صحیح ادائیگی اسلامی نظام کی صحت اور اس کی فلاح کا ضامن بن سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے کمیونزم اور سوشلزم وغیرہ غلط افکار اور باطل نظامات کی مؤثر روک تھام میں بھی کافی مدد مل سکتی ہے۔ مگر موجودہ دور میں زکوٰۃ کا صحیح اور اجتماعی نظام نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ جس کی وجہ سے اصل مستحق اکثر و بیشتر اس "خدائی امداد" سے محروم رہ جاتے ہیں اور اس سے وہ فوائد حاصل نہیں ہوپاتے جو غلط اور گمراہ کن نظاموں کے توڑ کے سلسلے میں واقعتہً مطلوب ہیں۔ اس وجہ سے زکوٰۃ کا نظام اجتماعیت کا طالب ہے تاکہ ہر ایک مستحق کو اس کا پورا حق مل جائے۔ اور مسلم معاشرے میں ایسے رخنے پیدا نہ ہوں جس کی وجہ سے اشتراکیت اور دیگر گمراہ کن نظاموں کو اس کے اندر گھسنے کا موقع مل جائے۔ مگر افسوس کہ بدنظمی کے باعث آج کل ایسے حاجت مند جو بظاہر "سفید پوش" نظر آتے ہیں۔ زکوٰۃ کے فوائد سے برابر محروم ہو رہے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف گداگروں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اگر زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم ہو جائے تو اس قسم کی خرابیاں دور ہوسکتی ہیں۔ اور تمام حق داروں کو ان کا حق مل سکتا ہے۔

زکوٰۃ کا صحیح طریقہ یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ آج جس طرح "فقراء اور مساکین" کے نام پر بعض لوگ چند بھکاریوں کو لائن میں کھڑا کر کے زکاۃ کی رقم تقسیم کرتے ہیں وہ نہایت درجہ گھٹیا طریقہ بلکہ زکوٰۃ کی توہین ہے۔ اس سے صرف گداگروں میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مستحق لوگوں کو تلاش کر کے زکوٰۃ ان تک خود پہنچائی جائے۔ جو ان کی عزتِ نفس کا بھی باعث ہوگی۔ اس سلسلے میں افراط و تفریط یہ ہے کہ لوگ عموماً کسی پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے شخص کو غریب اور کسی سفید پوش کو خوشحال سمجھ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک غلط معیار ہے کیونکہ حقیقت اس کے برعکس بھی ہو سکتی ہے یعنی یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ بظاہر مفلوک شخص اصلاً فقیر ہو جس طرح یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ اچھے کپڑے پہنا ہوا شخص واقعۃً غنی ہی ہو۔

غرض زکوٰۃ کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ایسے غریب اور محتاج لوگوں کو تلاش کیا جائے۔ جو کسی وجہ سے معاشی جدوجہد کے میدان میں پیچھے رہ گئے ہوں یا ایسے عیال دار لوگ جن کی آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ پریشان رہتے ہوں۔ اسی طرح بے روزگار افراد کو تلاش کر کے انہیں روزگار پر لگایا جائے۔ غریب مقروضوں کے قرضے ادا کر کے انہیں راحت پہنچائی جائے۔ تالیفِ قلب کے لئے نومسلموں کو نوازا جائے اور انہیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں مدد کی جائے۔ جو اپنے معاشرے اور بھائی بندوں کو چھوڑ کر اسلام کی گود میں پہنچ گئے ہوں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے یا اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جدوجہد کرنے والوں کی مدد کی جائے۔

یہ زکوٰۃ کے چند مصارف ہیں جن کا تذکرہ سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں کیا گیا ہے۔ اس آیت کی ایک مدّ "فی سبیل اللہ" (اللہ کی راہ میں) بھی ہے اس کے معنی اگرچہ عموماً جہاد کے لئے گئے ہیں۔ مگر جہاد کی نوعیت ہر دور میں مختلف ہو سکتی ہے۔ خود ایک حدیث کی رو سے کسی ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ غرض اس مدّ میں آج جس طرح ہمارے عربی و اسلامی مدرسے آ سکتے ہیں۔ اسی طرح اس میں وہ اسلامی تنظیمیں اور علمی و اشاعتی ادارے بھی آ سکتے ہیں جو اسلامی افکار و اقدار کی نشر و اشاعت اور باطل نظریات نیز گمراہ کن نظاموں کی بیخ کنی کر کے اسلامی نظام قائم کرنے کی راہ میں عملاً جدوجہد کر رہے ہوں۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اجتماعی معاملات ہیں۔ جن کی حکمتوں اور مصلحتوں کو انفرادی طور پر ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ اور پھر انفرادی صوابدید سے یہ تمام مقاصد بروئے کار نہیں آ سکتے۔ لہٰذا ہماری اجتماعی زندگی کا تقاضا ہے کہ ہمارے فریضۂ زکوٰۃ کی صحیح تنظیم عمل میں آئے۔ تاکہ افراط و تفریط کے بغیر ہر مستحق ادارے کو اس کا

صحیح حق مل جائے۔ اس وجہ سے زکوٰۃ ایک عبادت ہے۔ اگر یہ کام صحیح بنیادوں پر قائم ہو جائے تو پھر ہماری ملت کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ اور زکوٰۃ کی قیمتی رقم جو اندھا دھند خرچ کر کے ضائع کی جاتی ہے۔ اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہماری ملت کے درد مند اصحاب کو اس سلسلے میں صحیح اقدام کرنا چاہیئے تاکہ اس کے ذریعے مفید اور ہمہ گیر نتائج نکل سکیں۔

زکوٰۃ ایک مذہبی فریضہ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زکوٰۃ ایک مذہبی فریضہ (عبادت) اور اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے جو افراد ملت کے معاش و معاد یا دنیا و آخرت کی بھلائی کی خاطر فرض کیا گیا ہے اسلامی نکتہ نظر سے زکوٰۃ کے ذریعہ ایک مسلمان کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اور اس کی تطہیر عمل میں آتی ہے۔ (دیکھئے سورۂ توبہ آیت ۱۰۳) کیونکہ زکوٰۃ کا نظام اسلامی برادری کی علامت ہے جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱ کے ذریعہ اس مسئلے پر روشنی پڑتی ہے جس کے مطابق نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو مسلمانوں کا بھائی کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرنے والے کو بالاجماع کافر قرار دیا گیا ہے۔ دیکھئے علامہ یوسف قرضاوی کی کتاب فقہ الزکوٰۃ جلد اول ص۹۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آسائش دے رکھی ہے ان کے ذریعہ وہ اپنے کمزور بندوں کی خبر گیری کرانا چاہتا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے جہاں ایک طرف مالداروں کے دلوں سے مال کی محبت زائل ہو سکے۔ تو دوسری طرف ناداروں کی دیکھ بھال کے ذریعہ ان کے دلوں میں ہمدردی اور انسانیت نوازی کے جذبات بھی پرورش پاتے رہیں۔ یہ دراصل حرص و بخل کو روکنے اور سخاوت و دلداری کو پروان چڑھانے کا ایک نسخہ کیمیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ نہایت درجہ رحیم اور مہربان ہے اس لئے وہ اپنے بندوں پر ربوبیت ورحمانیت کا مظاہرہ چاہتا ہے۔ تاکہ اس کے دکھی بندے اس کے لطف و کرم سے محروم نہ رہیں۔ لہٰذا وہ اس مظاہرے کے لئے اپنے نادار بندوں کو ذریعہ و وسیلہ بنانا چاہتا ہے اس لئے مالداروں کو غریبوں اور مسکینوں کی دلداری میں کسی قسم کا بخل یا تنگ دلی کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔ مال بھی خدا ہی کا دیا ہوا ہے اور اس کو خدا ہی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرنا ہے۔

زکوٰۃ کا اجتماعی نظام مطلوب ہے زکوٰۃ کی اہمیت اور فرضیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا تذکرہ ایک ساتھ آیا ہے۔ اور انداز خطاب بھی اجتماعی نوعیت کا ہے مثلاً:-

"مسلمانو! نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (بقرہ ۱۱۰)

اس سے اس حقیقت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ زکوٰۃ نماز ہی کی طرح نہ صرف اسلام کا ایک اہم

فریضہ اور رکن ہے بلکہ وہ نماز ہی کی طرح اجتماعی حیثیت سے بھی مطلوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے دور میں زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جہاد کیا تھا اور اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی رو رعایت سے انکار کرتے ہوئے نہایت سخت موقف اختیار کیا تھا۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نماز اور زکوٰۃ کے اس باہمی ربط و تعلق اور ان کی جماعتی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"نماز جس طرح جماعت اور مسجد کے بغیر بھی انجام پا جاتی ہے لیکن اپنی فرضیت کے بعض مقاصد سے دور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ بیت المال کی مجتمع صورت کے علاوہ بھی ادا ہو جاتی ہے مگر اس کی فرضیت کے بعض مقاصد فوت ہو جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں جب بعض قبیلوں نے یہ کہا کہ وہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہ کریں گے، بلکہ بطور خود اس کو صرف کریں گے۔ تو شریعت محمدی کے شناسائے راز ان کی اس تجویز کو قبول نہیں کیا اور ہر زور ان کو بیت المال میں زکوٰۃ داخل کرنے پر مجبور کیا کہ اگر ان کی یہ بات تسلیم کر لی جاتی تو اسلام کی وحدت کا سررشتہ اسی وقت پارہ پارہ اور مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔" (سیرۃ النبی ۵/۱۵۳)

نیز موصوف مزید تحریر کرتے ہیں:-

جب تک منتشر افراد ایک رشتہ میں نہیں بندھ جاتے حقیقت میں جماعت کا وجود نہیں ہوتا۔ لیکن جماعت کے وجود کے ساتھ ہی افراد کی طرح جماعت کو بھی ضروریات پیش آتی ہیں۔ جماعت کے کمزوروں، معذوروں اور مفلسوں کی مدد، جماعت اور اس کے اصول کی حفاظت کے لئے سرفروشانہ مجاہدہ کی صورت میں اس کے اخراجات کی کفالت، جماعت کی آمد و رفت اور سفر کے وسائل کی ترقی و تعمیر، جماعت کی خاطر جماعت کے مالی نقصان اٹھانے والوں اور مقروضوں کی امداد کرنا۔ جماعت کے ان کارکنوں کو معاوضہ دینا، جو جماعت کی مذہبی، علمی تعلیمی خدمات بجالائیں۔ اور اس رقم کی فراہمی اور نظم و نسق کے فرائض انجام دیں۔ زکوٰۃ اسی نظام جماعت کا سرمایۂ دولت ہے۔" (سیرۃ النبی ج ۵ ص ۱۷۹)

اسی طرح موجودہ دور کے مشہور عرب عالم علامہ یوسف قرضاوی نے زکوٰۃ کے موضوع پر ایک مفصل اور معرکۃ الآرا کتاب تحریر کی ہے۔ اس میں موصوف نے زکوٰۃ کی اجتماعیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام ایک مکمل اور رہنما پیغام کا حامل ہے۔ وہ عقیدہ و نظام اور اخلاق و قانون کا مجموعہ ہے۔ وہ فرد کی آزادی اور اس کی تکریم کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی ترقی اور بھلائی کا بھی علمبردار ہے۔ اور اس چوکھٹے میں زکوٰۃ کا نظام افرادی طور پر نہیں بلکہ حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا مصرف صرف فقراء اور مساکین ہی کے لئے نہیں بلکہ اس سے مسلمانوں کے مصالح عامہ بھی مقصود ہیں جن کا صحیح اندازہ افراد

نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کا صحیح اندازہ مسلمانوں کی جماعت کے معاملہ فہم لوگ اور اہلِ شوریٰ ہی کر سکتے ہیں جیسے تالیفِ قلب، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری اور اشاعت اسلام کے لئے مبلغین کی تیاری وغیرہ امور کے لئے خرچ کرنا۔ (خلاصہ از فقہ الزکوٰۃ ج ۲ ص ۷۵۶)

ان اقتباسات سے ظاہر ہو گیا کہ زکوٰۃ کی اجتماعی حیثیت سے کس قدر اہمیت ہے۔ مگر ہمارے موجودہ طرزِ عمل نے اس کو ایک ناکارہ اور فرسودہ چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔ بغرض اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ افرادِ ملت اگر فرداً فرداً اپنی ذاتی صوابدید کے مطابق زکوٰۃ کی رقم صرف کرتے رہیں تو اس سے وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جو اسلام کی نظر میں مجموعی طور پر مطلوب ہیں۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ وہ افرادِ ملت سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحق لوگوں میں تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ ملت کے اجتماعی امور اور جماعتی مفادات کو بھی پیشِ نظر رکھے۔ اس طرح انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ مضبوط و مستحکم ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے مطلوب و مقصود ہونے کے بارے میں قرآن مجید کی متعدد آیات رہنمائی کرتی ہیں مثلاً:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے۔

"تم مسلمانوں کے مالوں میں سے زکوٰۃ نکالو" (توبہ ۱۰۳)

نیز زکوٰۃ کی وصولی کے لئے عاملین یعنی کارکن مقرر کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

"اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا بھی اس میں حق ہے" (توبہ ۶۰)

ظاہر ہے کہ اس سے اجتماعی نظام کی تاکید نکلتی ہے۔

اس طرح مسلمانوں کے امام یا خلیفہ کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اجتماعی طور پر زکوٰۃ وصول کر کے ملت کی بہبودی پر خرچ کرے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ جہاں پر اسلامی حکومت نہ ہو وہاں کیا کیا جائے؟ تو اس کا حل یہ ہے کہ وہاں پر خود مسلمان اپنی تنظیمیں قائم کر کے زکوٰۃ کا اجتماعی نظام جاری کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری ملت آج جن مشکلات اور ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہے اس سے نجات کا راستہ نکالا جا سکے۔ اور ایسی تنظیمیں اپنے تنظیمی اخراجات کے لئے حسبِ ضرورت زکوٰۃ کی رقم خود لے سکتی ہیں اور یہ حق انہیں خود قرآن ہی عطا کرتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے:-

"والعاملین علیہا" یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا بھی اس میں حق ہے (توبہ ۶۰)

اس طرح کتابِ الٰہی میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے مگر یہ ہماری غفلت اور کوتاہی ہے کہ ملت کے ایک ضروری اور ناگزیر فریضے کی ادائیگی میں ہم محض چند اندیشوں کی وجہ سے دلچسپی نہیں لے رہے۔ اگر

زکوٰۃ کی صحیح تنظیم قائم ہو جائے تو ہماری ملت کی کایا پلٹ سکتی ہے اور ہمارے عربی مدارس اور اسلامی اداروں کو بھی ان کا پورا پورا حق مل سکتا ہے۔ لہٰذا اس راہ میں اگر چند مخلص اور باہمت لوگ آگے بڑھیں تو یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے جو انجام نہ پا سکے۔

مگر اس سلسلے میں ایک مشکل یہ ہے کہ ہمارے عربی مدرسوں میں باہم برادرانہ تعلقات کے بجائے آپس میں رقابت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ زکوٰۃ کی زیادہ سے زیادہ رقم اسے ملے ظاہر ہے کہ کسی اجتماعی نظام کے پروان نہ چڑھنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے حالاں کہ اگر اجتماعی نظام قائم ہو جائے تو پھر ان کا حق انہیں گھر بیٹھے مل سکتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ پوری یک سوئی کے ساتھ اپنا نظام تعلیم درست کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انہیں شہر شہر اور گلی گلی دورے کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ سچ پوچھئے تو اس کی وجہ سے ایک عظیم تعلیمی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

کیا اسلامی اداروں اور دینی علوم کی نشر و اشاعت کے لئے زکوٰۃ کی رقم صرف کی جا سکتی ہے؟

یہ آج ایک اہم ترین سوال ہے اور بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم گداگروں اور پیشہ ور بھکاریوں کو تو دی جا سکتی ہے مگر کسی اسلامی ادارے کے کارکن یا دینی و علمی خدمت کرنے والے کو نہیں دی جا سکتی۔ یہ ایک غلط تصور ہے۔ اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس ادارے یا مدرسے میں ایسے طلبہ نہ ہوں جن کے "کھانے پینے" کا انتظام نہ ہو تو وہاں بھی زکوٰۃ کی رقم نہ دینی چاہئے۔ یہ بھی ایک غلط تصور ہے جو زکوٰۃ کی روح کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے زکوٰۃ کے سب سے زیادہ مستحق وہ علماء یا دینی خدمت گار ہیں جو یکسوئی کے ساتھ خدا کی راہ میں مصروف عمل ہونے کے باعث معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل ہی نہ ہوں۔ جیسا کہ تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اس لئے وہ محتاج ہونے کی بنا پر اس رقم کے سب سے زیادہ حق دار ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بات عقلی اعتبار سے بھی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کے دینی خدمت گار زکوٰۃ کے مستحق نہ ہوں تو پھر بھلا اور کون ہو گا؟ اور وہ اپنی ضروریات زندگی کس طرح پوری کر سکیں گے؟ ظاہر ہے کہ جب چندہ، ادھر اُدھر کے لوگ، زکوٰۃ کی ساری رقم سمیٹ کر لے جائیں تو پھر دینی خدمت گاروں کا کیا ہو گا؟

مصارف زکوٰۃ

زکوٰۃ کی رقم کن کن مدّوں میں صرف کی جا سکتی ہے؟ تو سورہ توبہ کی آیت ۶۰ کے مطابق اس کے حسب ذیل آٹھ مد قرار دئے گئے ہیں۔

۱۔ فقراء کے لئے۔ اور فقراء سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس تھوڑی سی غذا یا ضرورت سے کم اثاثہ ہوں یعنی جن کی آمدنی ان کی ضروریات کے لئے ناکافی ہو۔

۲۔ مساکین کے لئے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو یعنی بے کس و بے سہارا۔

۳۔ عاملین زکوٰۃ کے لئے۔ یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ وصول کرنے والے ہوں اس مد کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی رقم میں سے کچھ حصہ رکھ چھوڑا ہے اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے یہ شق زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کی طالب ہے۔ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی کے لئے مستقل کارکنوں کا قیام جماعتی زندگی کا متقاضی ہے۔

۴۔ جن لوگوں کی دلجوئی مقصود ہو یہ مد خاص کر نومسلموں سے متعلق ہے۔ اور یہ منسوخ نہیں ہے بلکہ موجودہ دور میں اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

۵۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے۔ موجودہ دور میں اس کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے اب یہ ایک "محفوظ مد" شمار کی جا سکتی ہے۔ یعنی جب کوئی ایسا دور آئے جس میں پھر سے غلامی کا رواج ہو جائے۔ تو ایسے موقع پر انسداد غلامی کے لئے اس مد کو پھر سے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

۶۔ قرضداروں کے لئے۔ یعنی وہ لوگ جو کسی گھاٹے یا خسارے کی وجہ سے قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں۔

۷۔ اللہ کی راہ میں۔ اور یہی شق اس وقت زیر بحث ہے۔ اور اس پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔

۸۔ مسافروں کے لئے۔ یہ شق بھی آج کل تقریباً معطل ہو کر رہ گئی ہے۔

اب ملاحظہ ہو وہ آیت کریمہ جس میں ان تمام مدوں (مصارف) کا ذکر کیا گیا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

زکوٰۃ محتاجوں، مفلسوں اور اس کی وصولی کرنے والوں کا حق ہے۔ اور جن کی دلجوئی کرنی ہے۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے۔ قرض داروں کے لئے۔ اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے۔ یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (توبہ ۶۰)

ملت کی بہبودی کا وسیع منصوبہ غور کیجئے ان آٹھ مدوں میں کتنی جامعیت ہے۔ اور اسلام ملت کی بہبودی کے لئے کس قدر وسیع منصوبہ رکھتا ہے۔ مگر ہم نے اپنی ناواقفیت کی بنا پر زکوٰۃ کا ایک نہایت درجہ تنگ اور محدود دائرہ بنا لیا ہے۔ جس کی وجہ سے علماء اور خادمانِ ملت کو اکثر و بیشتر ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اور بعض اوقات عزت نفس کا سودا بھی کرنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ غیور اور خوددار قسم کے لوگ اکثر و بیشتر اس خدائی امداد سے محروم ہی رہ جاتے ہیں جب کہ پیشہ ور قسم کے گداگروں کی خوب بن جاتی ہے۔ یہ صورت حال نہایت درجہ افسوسناک ہے۔ اور جتنی جلد ہو سکے اس کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔

واضح رہے کہ ان آٹھ مدوں میں سے کوئی بھی مد منسوخ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرض قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

« فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ » یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے

ہاں البتہ کسی دور ضرورت اور مصلحت کی بنا پر کوئی مد "معطل" ہو سکتی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں "تالیف قلوب" کو معطل کر دیا تھا، مگر وہ منسوخ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کے مقرر کردہ فرائض کو کوئی بھی منسوخ نہیں کر سکتا۔

فی سبیل اللہ سے مراد کیا ہے؟ اوپر زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف گنائے گئے ہیں ان میں سے ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنا۔ اور اللہ کے راستے سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض فقہا نے اس سے جہاد مراد لیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک تمام امور خیر مراد ہیں (دیکھئے تفسیر کبیر ۱۶/۱۱۳ طبع جدید)

اور یہ اختلاف خود فقہ حنفی میں بھی موجود ہے چنانچہ فقہ حنفی کی مستند ترین کتاب دُرِ مختار اور اس کی شرح رد المحتار یعنی فتاویٰ شامیہ کی رو سے فی سبیل اللہ کی حسب ذیل چار صورتیں (اختلاف اقوال کے مطابق) ہو سکتی ہیں۔

۱۔ بچھڑے ہوئے غازی (امام ابو یوسف کے نزدیک)

۲۔ بچھڑے ہوئے حاجی (امام محمد کے نزدیک)

۳۔ طالب علم (فتاویٰ ظہیریہ کے مطابق)

۴۔ تمام امور خیر (بدائع الصنائع مولفہ امام کاسانیؒ کے مطابق)

اور ان چاروں صورتوں میں زکوٰۃ لینے والے شخص کا محتاج یعنی ضرورت مند ہونا شرط ہے۔ (فتاویٰ شامیہ ج ۲ ص ۶۶)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں کام کرنے والا کوئی بھی شخص زکوٰۃ کی رقم لے سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ضرورت مند ہو۔ اس اعتبار سے زکوٰۃ کا مستحق بننے کے لئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ وہ اللہ کی راہ میں کام کرنے والا ہو۔

۲۔ اور وہ ضرورت مند ہو۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفی تحریر کرتے ہیں کہ "تمام صورتوں میں فقر و احتیاج ضروری ہے" (بحر الرائق ۲/۲۶۰) یہ مسئلہ فقہ حنفی کے مطابق ہے جس میں فی سبیل اللہ کے تحت زکوٰۃ لینے والے کے لئے محتاج ہونا ضروری ہے جب کہ دوسرے فقہا کے نزدیک یہ شرط غیر ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے نص قرآنی پر زیادتی لازم آتی ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ یوسف قرضاوی کی کتاب "فقہ الزکوٰۃ"

چنانچہ مشہور اہلحدیث عالم نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب "الروضۃ الندیۃ" میں تحریر کرتے ہیں کہ :-

"سبیل اللہ" سے مراد اللہ کی طرف پہنچانے والے راستے ہیں۔ اور جہاد اگرچہ سب سے بڑا راستہ ہے لیکن اس مصرف کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر اس چیز میں صرف ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف جائے۔ یہ آیت کے لغوی معنی ہیں اور جہاں نص شرعی نہ ہو وہاں پہ لغوی معنی سے واقفیت ضروری ہو جاتی ہے۔ پھر آپ مزید تحریر کرتے ہیں کہ :-

فی سبیل اللہ میں ان علماء پہ خرچ کرنا بھی ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کے مصالح دینیہ میں لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کے مال میں ان کا بھی حصہ ہوگا۔ خواہ وہ مالدار ہوں یا نادار، بلکہ ان پہ خرچ کرنا بہت ہی ضروری ہے اس لئے کہ علماء انبیاء کے وارث اور دین کے حامل ہیں جن کے ذریعہ اسلام اور شریعت مصطفوی کی حفاظت ہوتی ہے (بحوالہ فقہ الزکوٰۃ ۲/۶۴۷، ۶۴۸)

اس اعتبار سے فی سبیل اللہ ایک وسیع اصطلاح ہے جس میں دین اسلام کی خدمت اور اس کا دفاع کرنے والے سبھی شریک ہو سکتے ہیں۔ جن کا کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ ہو۔ بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو خدمت دین کے لئے ہر طرح سے وقف کر رکھا ہو۔ اور ایسے "دینی خدمت گاروں" کو خود قرآن مجید نے استحقاق کے اعتبار سے پہلے نمبر پہ رکھا ہے چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی قرآن مجید کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

فقراء میں ان خوددار اور مستور الحال شرفا کو ترجیح دی ہے جو دین اور مسلمانوں کے کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے نوکری چاکری یا بیوپار نہیں کر سکتے۔ اور حاجت مند ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور اپنی آبرو اور خودداری کو ہر حال میں قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا :-

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۝

ان مفلسوں کو دینا ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں اور زمین میں (روزی حاصل کرنے کے لئے) چل پھر نہیں سکتے۔ ناواقف ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے ان کو بے احتیاج سمجھتے ہیں۔ تم ان کو ان کے چہرے سے پہچان سکتے ہو کہ وہ حاجت مند ہیں۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔

(بقرہ ۲۷۳ - سیرت النبی ۵/۱۷۲)

اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے لوگ کون ہیں ؟ اس اعتبار سے اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہونے کا صاف

مطلب یہ ہوا کہ اس سے مراد اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے والے ہیں اور مختلف تفسیروں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر میں متعدد روایات مذکورہ بالا آیت کریمہ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی تفسیر میں اس معنی کی نقل کی ہیں کہ اس سے مراد اصحابِ صُفّہ اور خاص کر فقرائے مہاجرین ہیں جو اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ اور دین کی خدمت میں لگ گئے تھے۔ اور اس بنا پر وہ کوئی کسبِ معاش یا تجارت وغیرہ نہیں کر سکتے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں ان کا کوئی گھر بار تھا اور نہ رشتہ داری تھی۔ بلکہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق ان میں سے ستر آدمیوں کے پاس تو ایک چادر بھی نہ تھی (خلاصہ از تفسیر درمنثور ۱/ ۳۵۸)

اگرچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں۔ مگر امام قرطبی نے تصریح کی ہے کہ یہاں پر مراد (اصلاً) فقرائے مہاجرین ہیں اور یہ آیت بعد میں شامل ہونے والے فقرائے صفہ کے لئے بھی عام ہے اور اس میں فقرائے مہاجرین کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت سوائے ان کے اور کوئی موجود نہ تھا اور وہ اصحاب صفہ تھے جو تعداد میں چار سو کے قریب تھے۔ (تفسیر قرطبی ۱/ ۳۴۰)

نیز امام رازی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فقرائے مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جو چار سو کے قریب تھے۔ اور وہ اصحابِ صفہ تھے جن کا مدینے میں نہ گھر بار تھا اور نہ رشتہ داریاں۔ وہ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے اور روزہ رکھتے تھے اور یہی لوگ ہر غزوہ میں جنگ کے لئے نکلتے تھے۔ (تفسیر کبیر ۷/ ۶۹)

اس طرح یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ ان کی دوہری حیثیت تھی وہ طالب علم بھی تھے اور غازی بھی۔ لیکن مجموعی اعتبار سے وہ طالب علم اور دینی خدمت گار ہی تھے۔ جو اللہ کے راستے میں گھرے ہوئے تھے اور اس اعتبار سے وہ ہر قسم کی "دینی خدمت" کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

اس لحاظ سے قیامت تک جو بھی لوگ دین کی خدمت میں گھرے ہوتے ہیں وہ اس آیت کریمہ کے تحت آ سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی اس آیت کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ "ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں"

اور مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ اور اس کی شرح اس طرح کی ہے۔

"اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ (یعنی دین کی خدمت) میں (اور اس خدمتِ دین میں مقید اور مشغول رہنے سے) وہ لوگ (طلب معاش کے لئے) کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) امکان نہیں رکھتے۔ (اور) ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے۔ ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان لوگوں کو ان کے طرز ہیئت سے پہچان سکتے ہو (کیونکہ فقر و فاقہ سے چہرہ اور بدن میں یک گونہ اضمحلال ضرور آ

جاتا ہے اور یوں وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے (جس سے کوئی ان کو حاجت مند سمجھے یعنی مانگتے ہی نہیں اکثر جو لوگ مانگتے ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں) اور (ان لوگوں کی خدمت کرنے کو) تم جو مال خرچ کرو گے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔ (تفسیر بیان القرآن ۱/۱۶۴)

مولانا مفتی محمد شفیع نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ کہ "فقراء سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو دینی مشغولیت کی وجہ سے دوسرا کوئی کام نہیں کر سکتے (تفسیر معارف القرآن ۱/۶۴۲)

اور علامہ سید سلیمان ندوی سیرۃ النبی میں ایک دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں۔

"فقراء اور مساکین میں وہ تمام اہل حاجت داخل ہیں جو اپنی محنت و کوشش سے اپنی روزی کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے جیسے بوڑھے، بیمار، اندھے، لولے، لنگڑے، مفلوج۔ کوڑھی یا وہ محنت کر سکتے ہیں لیکن موجودہ حالت میں دین و ملت کی کسی ایسی ضروری خدمت میں مصروف ہیں کہ وہ اپنی روزی کمانے کی فرصت نہیں پاتے۔ جیسے مبلغین مذہبی معلمین، بالغ طالب علم وغیرہ جو

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ۔

میں اسی طرح داخل ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اصحاب صُفہ داخل تھے۔ اور وہ کم نصیب بھی داخل ہیں جو اپنی پوری محنت اور کوشش کے باوجود اپنی روزی کا سامان پیدا کرنے سے اب تک قاصر رہے ہیں اور فاقہ کرتے ہیں۔ (سیرۃ النبی ج ۵ ص ۱۷۵، ۱۷۶)

دینی خدمت گار زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں بعض مصارف زکوٰۃ کے مطابق فقراء و مساکین میں اگرچہ ہر قسم کے مفلس اور حاجت مند داخل ہو سکتے ہیں۔ مگر قرآن کی تخصیص (للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ) کے مطابق فقراء میں ترجیح دینی خدمت گاروں کو دینی چاہئے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ کی مد ۱ اور مد ۲ کے مطابق مفلسوں اور محتاجوں میں سب سے پہلا نمبر "دینی خدمت گاروں" کا ہے۔ اور امام رازی نے بھی یہی بات بیان کی ہے۔ (دیکھئے تفسیر کبیر ۷/۷۹)

اور یہ بات عقلی اعتبار سے بھی بہت ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے دو محتاجوں جن میں ایک صرف اپنے لئے کام کرتا ہے اور دوسرا ملت کے لئے کام کرتا ہے۔ مال زکوٰۃ کا زیادہ مستحق (یعنی پہلے نمبر پر) وہی ہو سکتا ہے جو ملت کے لئے کام کر رہا ہو۔ کیونکہ وہ ملت کو نفع پہنچا رہا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک "عالم فقیر" کو ایک "جاہل فقیر" پر ترجیح دینی چاہئے۔ (دیکھئے عین الہدایہ ۱/۸۲۲)

مگر یہ عجیب بات ہے کہ لوگ عموماً کسی بھکاری کو تو زکوٰۃ کا مستحق سمجھ لیتے ہیں مگر کسی "سفید پوش" مفلوک الحال شخص کو مستحق زکوٰۃ تصور کرنے کے لئے آسانی سے تیار نہیں ہوتے حالاں کہ اوپر جو آیت نقل کی

گئی ہے۔ اس کے ذریعہ بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی نظر میں اصل مفلس کون ہے۔ اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟
واضح رہے کہ لفظ فقیر اور مسکین کا عربی میں وہ مفہوم نہیں ہے جو اردو زبان میں چل پڑا ہے۔ ہمارے عرف میں تو فقیر اسے کہتے ہیں جو کسی فٹ پاتھ پر بیٹھا بھیک مانگ رہا ہو۔ یا گھر گھر گھوم پھر کر خیرات جمع کر رہا ہو۔ جب کہ عربی میں فقیر اسے کہتے ہیں جو تھوڑی سی غذا کا مالک ہو مَنْ لَا یملك اِلَّا اقل القوت اور اس اعتبار سے اس کا بھکاری ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس طرح ایک شخص کوئی کام دھندہ والا ہوتے ہوئے بھی "فقیر" کہلا سکتا ہے اور مذکورہ بالا آیت کی رو سے فقیر صحیح معنی میں وہ ہے جو قلت غذا یا ناکافی ضروریات کے باوجود اپنی عزت و آبرو اور خودداری کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ اور دربدر بھیک مانگنا تو درکنار کسی سے لپٹ کر یا اصرار کے ساتھ سوال بھی نہ کرے۔ اور اس قرآنی تعلیم کی شرح حدیث رسولؐ میں اس طرح آئی ہے۔

"مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک یا دو لقمے دربدر پھرایا کرتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ پھر مسکین کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ جو حاجت مند تو ہے مگر اس کا (بظاہر) پتہ نہیں چلتا۔ اور وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا"
(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ ۲/۱۹)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے۔ "مسکین وہ ہے جو سوال کرنے سے کتراتا ہو۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو۔ "ترجمہ۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے" (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ ج ۲ ص ۱۹)

علم دین کی رسوائی ان احادیث سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ کوئی شخص حاجت مند ہونے کے باوجود لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ملت کے ذمہ دار لوگ "فقراء اور مساکین" کو تلاش کر کے ان کی ضروریات خود ان تک پہنچائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اجتماعی نظام کی طالب ہے اور اجتماعیت کے بغیر یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔ اور اس کے بغیر علماء اور دینی خدمت گاروں کی خودداری بحال نہیں ہو سکتی مگر واقعہ یہ ہے کہ آج علماء اور دینی خدمت گار اپنی خودداری کو تیاگ کر کے دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔ کیونکہ اب یہ زندگی اور موت کا سوال بن گیا ہے اس کے بغیر دینی مدرسوں اور اداروں کا چلنا سخت دشوار ہو گیا ہے اور بعض مقامات پر انہیں ذلیل بھی ہونا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریقہ کار میں نہ صرف علمائے دین کی رسوائی ہے بلکہ خود علم دین کی بھی اہانت ہے۔ اور بعض غلط مسائل کے رواج پا جانے کی وجہ سے مختلف حیلے بہانے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کو جھوٹ بولنے پر بھی مجبور ہونا پڑتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

واضح رہے کہ زکوٰۃ کوئی بھیک کی چیز نہیں بلکہ خداوند کریم کی جانب سے عائد کردہ ایک فریضہ

اور دینی خدمت گاروں کا ایک شرعی حق ہے۔ اور یہ حق انہیں بغیر دست سوال کے ملنا چاہئے۔ ورنہ دینی خدمت کے میدان میں کوئی انقلاب نہیں آسکتا۔ کیونکہ باصلاحیت لوگ اس "خارزار" میں قدم رکھنے کے بجائے اپنے لئے کوئی دوسرا میدان منتخب کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی خدمت کے میدان میں نتائج تقریباً صفر ہو کر رہ گئے ہیں۔ بلکہ اب تو نتائج کی کسی کو پروا بھی نہیں رہی۔

بعض خرابیاں اور ان کی اصلاح جیسا کہ مصارف زکوٰۃ کی تفصیل سے واضح ہو گیا نظام زکوٰۃ کے ذریعہ اسلامی معاشرے کی مکمل فلاح و بہبود مقصود ہے اور یہ ایک مکمل فلاحی پروگرام اور اسلامی معاشیات کا ایک اہم ترین ستون ہے مگر آج جو رواج عام ہو گیا ہے اس کی رو سے زکوٰۃ یا تو کسی بھکاری کو دی جاتی ہے یا پھر ایسے مدرسے کو جس میں "کھانے والے" طلبا موجود ہوں اور عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں مدرسے والوں کی کوتاہیاں بھی شامل ہیں جنہوں نے محض اپنے مفاد کی خاطر عوام کے ذہنوں میں یہ غلط تصور بٹھا دیا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں بعض مکتب چلانے والوں کو جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ کہ ہمارے یہاں کھانے والے طلبہ موجود ہیں کیونکہ اس کے بغیر انہیں چندہ یا زکوٰۃ نہیں ملتی۔ حالاں کہ یہ نہ کوئی شرط ہے اور نہ اس قسم کا جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت۔ زکوٰۃ کی رقم صرف "کھانے پینے" یا صرف طالب علم ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر قرآنی آیت کی تفسیر میں اہل علم کی رائیں بیان کی جا چکی ہیں۔ بلکہ اس سے طالب علموں سمیت سبھی معلمین اور ہر قسم کے دینی خدمت گار بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ مسئلہ کہاں سے نکالا گیا ہے جو عوام کے ذہنوں میں پوری طرح چپک گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی علما ہی کی کوتاہی ہے۔ جو محض اپنے مفاد کے لئے عوام کو صحیح مسائل سے آگاہ نہیں کرتے گویا کہ حالات سے سبھی نے طوعاً و کرہاً ایک طرح سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ لیکن اگر نظام زکوٰۃ کو متحرک بنانا اور اس کی برکتوں سے مسلم معاشرے کو مالا مال کرنا ہو تو اس قسم کے غلط تصورات کا خاتمہ ضروری ہے۔

اور پھر فقہ حنفی میں "تملیک" (زکوٰۃ کی رقم کا کسی کو مالک بنانے) کی جو شرط ہے اسے پوری کرنے کے لئے عربی مدارس کے ذمہ داروں کو "عجیب و غریب" حیلوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ کھانے والے طلبہ کے نام پر صرف زکوٰۃ وصول کر لینا بھی کافی نہیں ہوتا۔ اور اس اعتبار سے یہ پوری کارروائی ایک گورکھ دھندہ بن کر رہ گئی ہے اس سے تو یہ بہتر ہے کہ تملیک کی شرط کو غیر ضروری قرار دے کر سیدھے طریقے سے اس سے چھٹکارہ حاصل کر لیا جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ اصلاحی قدم کون اٹھائے گا؟

واضح رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے فقہ حنفی میں تملیک کی جو شرط پائی جاتی ہے وہ کوئی "نص" نہیں بلکہ صرف ایک فہم و قیاس ہے چنانچہ علامہ یوسف قرضاوی نے اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے اس کو غیر ضروری

بتایا ہے۔ موصوف تحریر کرتے ہیں کہ وہ مسافر جنہیں قرآن میں "فی" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں تملیک کی شرط ضروری نہیں ہے۔ اسی بنا پر کچھ فقہا نے غلاموں کی آزادی اور میت کے قرض کی ادائیگی زکوٰۃ کی رقم سے جائز سمجھی ہے۔ جس میں ظاہر ہے کہ تملیک نہیں پائی جاتی۔ پھر یہ کہ اولوالامر کو دینے سے تملیک کی شرط تو پوری ہو ہی جاتی ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ صاحب زکوٰۃ رقم کو فقیر ہی کے ہاتھ میں دے۔ اس لئے اگر امام یا اس کے نائب نے زکوٰۃ کی رقم لے لی تو اسے ان مصارف میں صرف کرنے کا حق حاصل ہوگا (فقہ الزکوٰۃ ۲/۶۵۱)

اس طرح بعض مسائل پر نظر ثانی کر کے اصلاحی قدم اٹھانا نہایت ضروری ہے۔ اور اس اقدام سے بہت ساری خرابیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے علماء کو چند بے بنیاد اندیشوں کے تحت نئے فیصلوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ علماء کا کام تو اصلاح ملت اور اصلاح معاشرہ ہے اور پھر "فقہ اسلامی" کوئی جامد شئے یا "پتھر کی لکیر" نہیں ہے۔ بلکہ اس کو زمانے کی کروٹوں کے ساتھ متحرک اور فعّال ہونا چاہیئے۔ لہٰذا علماء کو چاہیئے کہ موجودہ خرابیوں کو دور کرنے کی غرض سے فتاویٰ میں اصلاح کریں اور قرآن وحدیث کی صحیح روح پیش نظر رکھتے ہوئے نئے فیصلے کریں جس کے باعث امت مسلمہ چین اور سکون کا سانس لے سکے۔

تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے کہ راقم سطور دارالعلوم دیوبند میں مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب سے ملاقات کے موقع پر ان کی خدمت میں فرقانیہ اکیڈیمی کا ایک کتابچہ "زکوٰۃ کا ایک مصرف فی سبیل اللہ" پیش کرتے ہوئے اس پر موصوف کی رائے طلب کی تھی۔ تو موصوف نے اس موقع پر اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہاں اب فتوے کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا یہ ہماری ملت کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے اور امید ہے کہ ہمارے مفتی صاحبان اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے دور اندیشی کا ثبوت دیں گے۔

اسلامی خدمت گاروں کی دوہری حیثیت

الغرض اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ اس مسئلے کی تحقیق میں تھا کہ زکوٰۃ کے مصرف "فقراء" کے مطابق اصل "فقراء" کون ہیں؟ یعنی وہ مفلس ومحتاج جو زکاۃ کے سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ اس کے علاوہ خود فی سبیل اللہ کی مد میں بھی ایسے لوگ شامل ہو سکتے ہیں جو دینی خدمت میں مشغول ہوں۔ چنانچہ پچھلے صفحات میں درمختار اور فتاویٰ شامیہ کے حوالے سے تفصیل گزر چکی ہے۔ اور اس اعتبار سے "دینی خدمت گار" گویا کہ دونوں طرح سے مستحق زکوٰۃ قرار پاتے ہیں اور دونوں اعتبار سے ان کا استحقاق ثابت ہوتا ہے یعنی ایک تو "فقیر" (مفلس وضرورت مند) ہونے کی حیثیت سے اور دوسرے "اللہ کی راہ میں کام کرنے والے" کی حیثیت سے۔ گویا کہ یہ تاکید مزید ہے۔ مگر اس کے باوجود ایسے لوگ آج اکثر وبیشتر محروم دکھائی دیتے ہیں تو اس کی وجہ ہماری ناواقفیت ہے۔ اور اس میں اہل علم کے تساہل کو بھی بہت کافی دخل ہے۔

اس کے فائدے کی صورت

یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ ایک طالب علم جو کسی اسلامی

مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اور ایک عالم جو کسی اسلامی ادارے میں دینی علوم کی تحقیق و تفتیش اور ان کی نشر و اشاعت کر رہا ہے۔ یا تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ دونوں ایک ہی عمل میں مصروف ہیں۔ پہلا شخص اگر دینی علوم کی تحصیل کر رہا ہے تو دوسرا دینی علوم کو پھیلا رہا ہے۔ لہٰذا اگر پہلا شخص محتاج ہونے کی بنا پر زکوٰۃ کی رقم لے سکتا ہے تو دوسرا شخص بھی اسی علت کی بنا پر بدرجہ اولیٰ اس کا مستحق بن سکتا ہے۔ لہٰذا عقلی اعتبار سے ان دونوں میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اس لحاظ سے عربی مدارس کے طلبہ اور اسلامی اداروں کے علماء و فضلاء اور کارکنان ایک ہی صف میں شامل ہیں اور ان سب کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے لہٰذا ان میں سے کسی ایک طبقہ کو نوازتے ہوئے کسی دوسرے طبقے کو محروم رکھنا بڑی کوتاہی ہے جس کی وجہ سے دینی خدمت گاروں کی دل شکنی ہوگی۔ اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہے کہ دین اسلام کا نقصان ہو سکتا ہے۔

ہمارے علماء کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس صورت میں خود ان کا فائدہ ہے۔ کیونکہ اس طرح طلبہ کے ساتھ وہ خود بھی مستحق زکوٰۃ بن سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ بعض پیچیدہ مسائل اور گورکھ دھندوں سے بھی نجات پا سکتے ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ بشرطیکہ ان گذارشات کی روشنی میں اپنے فتاوٰی میں تھوڑی سی تبدیلی کر لیں۔ اور ان گذارشات کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔

جہاد علمی و قلمی بھی ہو سکتا ہے | اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہیئے کہ فی سبیل اللہ سے مراد لازمی طور پر جہاد نہیں ہے جیسا کہ اوپر مذکور سورہ بقرہ کی آیت ۲۷۳ کی تفسیر سے بخوبی ظاہر ہو گیا ہے لیکن اگر بالفرض اس سے جہاد ہی مراد لیا جائے تو یہ کوئی ضروری ہے کہ اس سے مراد جسمانی جہاد یعنی جنگ و جدل ہی ہو۔ بلکہ جہاد کی اور بھی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ اور ان میں سے ایک شکل علمی و قلمی جہاد بھی ہے۔ جیسا کہ خود قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا

اور تم قرآن کے ذریعہ کافروں سے بڑا جہاد کرو (فرقان ۵۲)

اور جہاد قولی یعنی وعظ و نصیحت کے طور پر بھی ہو سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے نبی تم کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ (توبہ ۷۳)

پہلی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ سب سے بڑا جہاد تو قرآن ہی کے ذریعہ کرنا ہے۔ یعنی قرآنی حقائق و معارف کے ذریعہ باطل قوتوں کا مقابلہ زور شور سے کرنا ہے۔ یہی اصل جہاد ہے۔ اور دوسری آیت میں جسمانی جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ "منافقین سے جہاد کا مطلب

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل سے یہ ثابت ہوا کہ ان کے ساتھ جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے کہ ان کو اسلام کی حقانیت سمجھنے کی دعوت دیں تاکہ وہ اپنے دعوائے اسلام میں مخلص ہو جائیں (تفسیر معارف القرآن ۴/۷۲۲)

لہٰذا جہاد کا مطلب لازمی طور پر تلوار اٹھانا نہیں ہے۔ بلکہ سب سے پہلا نمبر لسانی اور علمی و قلمی جہاد ہے۔ اور جہاد بالسیف کا نمبر سب سے آخر میں آتا ہے۔ جب کہ اولین مراحل ناکام ہو جائیں۔ دعوت اسلامی میں یہ ترتیب ہمیشہ ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اور بعض حدیثوں کے مطابق ظالم سلطان کے سامنے حق بات کہنا افضل ترین جہاد قرار دیا گیا ہے۔ (ترمذی کتاب الفتن ۲/۱۳۳۰)

اس کا مطلب ہے کہ حق بات کی ترویج و اشاعت مقدم ہے۔ کیونکہ اتمام حجت کے لئے سب سے پہلے حق بات پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جصاص رازی حنفی علمی جہاد کو اصل قرار دیتے ہیں چنانچہ اس سوال کے جواب میں کہ آیا نفس و مال کا جہاد افضل ہے یا علم کا جہاد؟ فرماتے ہیں کہ علم کا جہاد افضل ہے اور نفس کا جہاد فرع ہے لہٰذا اصل فرع سے افضل ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۱۹)

ظاہر ہے کہ جانی و مالی جہاد کے لئے علم ہی بنیاد بنتا ہے۔ اور علمی و فکری اعتبار سے وہی اس کے لئے راہیں ہموار کرتا ہے۔ چنانچہ کوئی بھی معرکہ سر کرنے یا ملک و دولت کے بچاؤ اور دفاع کے لئے سب سے علمی اعتبار سے جد و جہد کر کے میدان ہموار کرنا پڑتا ہے۔ گویا کہ ملت کو "حرکت" میں لانا علم کا کام ہے۔ اور اس اعتبار سے علم ہی اصل ہے اور علمی جہاد ہی نمبر پہلا ہونا چاہئے۔

موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد | اس اعتبار سے فی سبیل اللہ سے اگر جہاد ہی مراد لیا جائے تو اس میں علمی و قلمی جہاد بآسانی شامل ہو سکتا ہے اور اس میں تاویل کرنے یا فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ اور اس اعتبار سے موجودہ دور کا بڑا جہاد الحاد و لادینیت ہی کی طرف سے ہے۔ لہٰذا آج جو علمی و اشاعتی ادارے الحاد و لادینیت اور باطل تحریکوں کے خلاف صف آراء ہیں وہ ارشاد الٰہی (فرقان ۵۲) کے مطابق وقت کے سب سے بڑے جہاد میں مشغول ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی قیمتی رقم سے ایسے اسلامی اداروں اور تنظیموں کے بازو مضبوط کئے جائیں تاکہ وہ بے فکری اور بے جگری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کر سکیں۔

عصر حاضر کے متعدد علماء نے بھی اس کی تائید کی ہے اور "فی سبیل اللہ" کے سلسلے میں تقریباً یہی رائے پیش کی ہے چنانچہ زکوٰۃ کے فلسفے اور اس کے مصارف پر موجودہ دور میں سب سے زیادہ تفصیلی بحث ڈاکٹر علامہ یوسف قرضاوی نے کی ہے۔ جنہوں نے "فقہ الزکوٰۃ" کے نام سے ایک تحقیقی اور گراں قدر کتاب، دو ضخیم جلدوں میں تحریر کی ہے۔ اور بقول مولانا سید ابوالحسن ندوی زکوٰۃ کے موضوع پر دنیا کی کسی بھی

زبان میں اس سے زیادہ جامع اور مبسوط کتاب موجود نہیں ہے۔ اس قابل قدر کتاب میں مصنف نے فقہائے کرام کی تمام آراء اور ان کے اختلافات کو جمع کر کے ان پر تفصیلی بحث کی ہے اور پوری اسلامی فقہ کو کھنگال کر متعلقہ مسائل کے ہر ہر پہلو پر عالمانہ اور مجتہدانہ حیثیت سے نظر ڈالی ہے اور بہت سے نئے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ موصوف کا مطالعہ بہت وسیع و عمیق ہے۔ اور ان کی رائیں پختی تلی معلوم ہوتی ہیں۔

غرض انہوں نے "فی سبیل اللہ" کے مصرف پر تفصیلی بحث کے بعد لکھا ہے۔ کہ اسلامی نظام برپا کرنے کے لئے جدوجہد کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ پھر وہ "عصر حاضر میں اسلامی جہاد کی مختلف شکلیں" کے عنوان کے تحت مزید تحریر کرتے ہیں کہ اسلامی جہاد صرف جنگ کرنے کا نام نہیں۔ بلکہ اس کی اور بھی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً دعوتی اور اشاعتی مراکز کا قیام۔ مسلم نوجوانوں کے لئے تربیت گاہیں۔ داعیان اسلام کی تیاری اور خالص اسلامی لٹریچر کی ترویج و اشاعت وغیرہ جن سے گمراہ کن تحریکوں کا سدباب ہو سکے۔

خلاصہ از فقہ الزکوۃ ۲/۹۶۶ - ۶۶۹)

ایک اور مصری عالم سید سابق نے اپنی گراں قدر کتاب "فقہ السنہ" میں لکھا ہے کہ:-

"ہمارے زمانے میں فی سبیل اللہ کی مد میں سب سے اہم داعیان اسلام کی تیاری اور انہیں غیر مسلم ممالک کو مبعوث کرنے پر صرف کرنا ہے۔ جس طرح کہ غیر مسلم (خصوصاً مشنریاں) اپنے دین کی نشر و اشاعت پر صرف کرتے ہیں۔ اس طرح اس میں اسلامی مدارس کے معلمین کا نفقہ بھی شامل ہے۔ جب تک کہ وہ اپنے شرعی وظائف ادا کرتے ہیں اور ان کا کوئی دوسرا معاشی ذریعہ نہ ہو۔ (خلاصہ از فقہ السنہ ۱/۳۹۴)

اور پچھلے صفحات میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۷۳ کی تفسیر میں امام قرطبی، امام رازی۔ مولانا اشرف علی تھانوی مفتی محمد شفیع اور مولانا سید سلیمان ندوی کی رائیں نقل کی جا چکی ہیں جس میں "فی سبیل اللہ" کے الفاظ صراحت کے ساتھ مذکور ہیں۔

اگرچہ یہ مد "فقراء" سے متعلق ہے مگر اس کا تعلق جہاد سے کم اور علم سے زیادہ ہے۔ لیکن یہ تعلق خواہ جہاد سے ہو یا علم سے۔ مذکورہ بالا مباحث کی رو سے بہرحال اس میں علماء اور دینی خدمت گار خصوصیت کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ہر اعتبار سے دینی خدمت گاروں کا حق ثابت اور مقدم نظر آتا ہے لیکن مجموعی اعتبار سے میرے نزدیک سورہ بقرہ کی آیت سے افراد کا حق اور سورہ توبہ کی آیت سے زیادہ تر اداروں اور جماعتوں کا حق ثابت ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث | خلاصۂ بحث یہ کہ آج الحاد و لادینیت کا دور دورہ ہے اور موجودہ دور میں الحادی تحریکوں اور نظاموں نے نوع انسانی کو فتنوں میں مبتلا کر کے اسے گمراہی کے راستے پر ڈال دیا ہے لہذا موجودہ الحادی علوم اور دینی

تحریکوں کا مقابلہ اور ان کی بیخ کنی کے لئے علمی اور دعوتی مرکزوں کا قیام اور مسلم نوجوانان کی خصوصی تربیت نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح ایسے علمی و تحقیقی اداروں کی بھی سخت ضرورت ہے۔ جو فکری و نظریاتی اعتبار سے اسلام کو ایک بہتر نظام اور برتر مذہب ثابت کرکے اسلامی نشاۃ ثانیہ کی راہیں ہموار کرسکیں۔ موجودہ الحاد و لادینیت کے دور میں ایک فکری و ثقافتی معرکہ سر کرنا اپنی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے کسی بھی طرح ایک فوجی و عسکری جہاد سے کم نہیں ہوا۔ بلکہ بعض اعتبارات سے برتر ہے۔ مگر آج کتنے ہی علمی و اشاعتی ادارے ایسے ہیں جو مالی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے کس مپرسی کے عالم سے گزر رہے ہیں۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے ان کی اعانت کی جائے تو کایا پلٹ سکتی ہے۔ اور زیادہ بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ فکر و نظر کا یہ معرکہ موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد ہے۔

غرض اس اعتبار سے موجودہ دور میں زکوٰۃ کی رقم حسب ذیل امور میں خصوصیت کے ساتھ صرف کی جاسکتی ہے۔

۱۔ غریب اور نادار طلبہ کے لئے تعلیمی وظائف۔

۲۔ علوم اسلامیہ کی تحقیق و تصنیف کے لئے وظائف۔

۳۔ دینی علوم کی نشر و اشاعت کے لئے سرمایہ کی فراہمی۔

۴۔ داعیانِ اسلام کی تیاری کے لئے امداد۔

۵۔ اسلامی اداروں کے کارکنوں کی امداد جن کا کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ ہو۔

۶۔ علمی و دعوتی مرکزوں کا قیام اور مسلم نوجوانوں کی تربیت۔

۷۔ دینی و اخلاقی تعلیم کو عام کرنے کے لئے خصوصی مدرسوں کا قیام۔

۸۔ اسلامی افکار و نظریات اور اسلامی لٹریچر کی ترویج و اشاعت، جن کے ذریعہ گمراہ کن تحریکوں کا سدباب کرنے اور اسلامی نظام کو عملاً برپا کرنے میں مدد مل سکے اس کا نام "اعلائے کلمۃ اللہ" ہے اور یہ موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد ہے

ان کے علاوہ اور بھی شکلیں ہوسکتی ہیں جن میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ اسلام میں زکوٰۃ کی حیثیت ایک انقلابی عنصر کی سی ہے۔ مگر ہماری کوتاہی نے اس کو ایک مردہ اور بے جان سی چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگر زکوٰۃ کا نظام صحیح معنی میں جاری ہو جائے تو اس سے ملت کے تن مردہ میں نئی جان پڑ سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں وہ قوت پنہاں ہے جو مُردوں کی مسیحا ثابت ہو سکتی ہے۔ اور اس مسیحائی کا راز اجتماعیت میں پوشیدہ ہے۔ لہٰذا ارباب ملت سے گزارش ہے کہ وہ ان اہم ملی مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرکے مشکلات کا حل نکالیں تاکہ صحیح بہتر نتائج برآمد ہوسکیں۔